عدل اجتماعی کا تصور واہمیت
تعلیماتِ نبوی ؐ کی روشنی میں

ارم سلطانہ*

ABSTRACT:

Social Justice in Light of the Teachings of the Holy Prophet (SAW)

Social justice has always been considered and declared as milestone of Islam. In this article the Islamic idea of social justice has been elaborated with logical explanation. Objectives of justice and its characteristics with types are highlighted. More over, social justice which was adopted and prevailed by the Prophet Mumammad (PBUH) is also discussed with aim that how a corrupt society can be broght back into sphere of civilization and prosperity by implementation of social justice in true letter and spirit.

Key Words: Social Justice, Islam, *Qur'ān*, *Sunnah*, *Seerah*.

انسان فطری لحاظ سے معاشرتی زندگی کی طلب وآرزو رکھتا ہے، دوسرے وہ دنیوی یا مادی اعتبار سے بھی مل جل کر رہنے پر مجبور ہے۔ ان عوامل ومحرکات نے اسے معاشرے کی تشکیل وتعمیر کرنے پر مجبور کیا۔اللہ رب العزت نے اسی انسانی طبیعت کے افراط وتفریط کی اصلاح اورحق وصداقت کی نشاندہی کے لیے انبیاء ورسل کا سلسلہ قائم فرمایا اور بلاشبہ اس نے اپنے برگزیدہ بندوں کے ذریعہ انہیں اعتدال کی رہ پر چلنا سکھایا، تاکہ انسان روئے زمین پر قتل وغارت کی جگہ امن وامان اور ظلم وجور کے بدلے عدل ومساوات کی حکومت قائم کرے۔

دنیا کا معاشرتی نظام چلانے اور انسانوں کو مہذب بنانے کے لیے قوانین کی ضرورت پڑتی ہے۔قوانین کا بنا دینا اور لاگو کر دینا ہی کافی نہیں ہوتا ہے بلکہ ایک کامیاب معاشرے کو چلانے کے لیے ضروری ہے کہ قوانین پر سختی سے عمل درآمد ہو۔امن و امان کو برقرار رکھنے کے لیے،توازن اورمعتدل زندگی گزارنے کے لیے نظام عدل کا قیام انتہائی ناگزیر ہے۔عدل چاہے انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر،ہر سطح پر اپنی مستقل حیثیت رکھتا ہے کسی بھی ملک یامعاشرے سے عدل کو ختم کر دیا جائے تو اس کی بقاء خطرے میں پڑ جاتی ہے اور وہ معاشرہ اندرونی بدامنی اور انتشار کا شکار ہو کر رہ جاتا ہے۔

عدل وانصاف کا قیام ہر مہذب ومتمدن انسانی معاشرہ کی اوّلین ضرورت اورہر مہذب ومتمدن حکومت کا سب سے اہم فریضہ ہے عدل کے بغیر نہ لوگوں کے درمیان حقوق وفرائض کا تعین ہوسکتا ہے اور نہ ظلم واستحصال کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ہر زمانہ میں قانون سازی اور تشریع کا بنیادی مقصد اس کو سمجھا گیا ہے۔

اسلام محض ایک مذہب نہیں دین ہے۔ یہ محض انسان اور رب کے پرائیوٹ تعلق کا نام نہیں ،ایک

* پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مکمل ضابطہ حیات اور کامل اجتماعی نظام کا نام ہے۔ جس میں "عدل اجتماعی" کو ماٹو کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن میں اس کے لیے "دین حق" اور "المیزان" کے الفاظ آئے ہیں اور یہ بات نہایت قابلِ توجہ ہے کہ رسولوں کو مبعوث فرمانے اور آسمانی کتابوں کو نازل کرنے کا اصل مقصد "قیام نظام عدل اجتماعی" قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کریں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں﴾۔[1]

اس آیت نے نہایت واشگاف الفاظ میں واضح کردیا ہے کہ اولاً: شریعتِ خداوندی کی اصل حیثیت ایک میزانِ عدل وقسط کی ہے جس میں انسانوں کے انفرادی اور اجتماعی حقوق وفرائض تولے جانے چاہئیں۔ ثانیاً: بعثت انبیآء ورسل اور نزول وحی وکتب سے آخری مطلوب یہ ہے کہ اللہ کی عطا کردہ میزانِ عدل وقسط بالفعل نصب ہو۔[2] یہ ہے اسلام کا عدل اجتماعی کا اصول، جو اس نے اس وقت دُنیا کے سامنے پیش کیا تھا جب وہ اس تصور سے آشنا تک نہ تھی۔ اس عدل اجتماعی کا جو اسلام نے پیش کیا اور عملی طور پر اس کو معاشرے میں نافذ کر کے دکھایا کہ فساد وظلم کہیں نظر نہ آتا تھا گویا جنت زمین پر اتر آئی ہو کہ ہر طرف ایک معاشرتی فلاح کا دور دورہ تھا۔ جب کبھی بھی اس عدل اجتماعی کو کسی بھی معاشرے میں رائج کیا جائے گا گویا یہ دُنیا جنت ارضی کا نمونہ بن جائے گی۔

عدل اجتماعی کا مفہوم:

عدل اجتماعی مرکب اضافی ہے جو دراصل دو لفظوں کا مجموعہ ہے جو اپنی اپنی جگہ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور اس کے لیے عربی میں "العدالۃ الاجتماعیۃ" اور انگریزی میں "Socil Justice" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ لفظ اجتماعی: "اجتماع" کی طرف منسوب ہے جس کے معنی ہیں: یکجائی، میل، جمع یا اکٹھا کرنا یا ہونا؛ گروہ، جماعت، معاشرہ، سماج۔[3]

عدل کے معنی دو چیزوں کا برابر ہونے کے ہیں چنانچہ اسی معنی میں مروی ہے "بالعدل قامت السمٰوٰت والارض" یعنی اگر عناصر اربعہ جن سے کائنات مرکب ہے، میں سے ایک عنصر میں کی بھی معینہ مقدار سے کمی یا بیشی ہو جائے تو نظام کائنات قائم نہ رہے۔[4] عدل ظلم کی ضد ہے۔[5] ظلم کے معنی ہیں: "کسی شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینا" اور عدل کا معنی ہے اس چیز کو اصل مقام پر رکھنا، برابر کرنا، سیدھا رکھنا۔[6]

عدل یہ ہے کہ ہر معاملہ میں افراط وتفریط کی راہوں کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرنا، ابو عبداللہ رازی نے یہی معنی اختیار کر کے فرمایا ہے کہ: "الأمر المتوسط بين الإفراط والتفريط"۔[7]

عدل کی تعریف:

مختلف علماء نے عدل کی تعریف مختلف انداز سے کی ہے۔ ذیل میں ہم چند کا جائزہ لیتے ہیں:

افلاطون نے عدل کی تعریف میں کہاہے کہ معاشرے میں قیام عدل کے لیے ضروری ہے کہ اس کے چار بنیادی طبقات (غلام،پیشہ ور اور مزدور،فوج اور امراء/حکام) کے مابین ایک منظم ومربوط نظام ہو۔[8] جبکہ حضرت علی ہجویری کے نزدیک عدل، ظلم کی ضد ہےاوراس کے معنی ہیں کہ "کسی چیز کو اس کے صحیح موقع محل میں رکھنا"۔[9] نیز مولانا مودودی کی نظر میں "عدل" تمام انسانیت میں بغیر کسی نسلی،لسانی یارتبے کے امتیاز کے،ہر ایک کواس کا حق بےلاگ طریقے سے فراہم کرنا ہے"۔[10]

قرآن وسنت میں تصور عدل:

عدل سب سے پہلے خود اللہ جل شانہ کی صفت ہے۔اور اللہ جل شانہ کے صفاتی ناموں میں ایک نام عادل بھی ہے۔علماء کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا فیصلہ حق ہوتا ہے وہ حق بات کہتا ہے اور وہی کرتا ہے جو حق ہے۔[11] اسی لیے اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کوپسند کرتا ہے۔ جیساکہ ارشادباری تعالیٰ ہے:﴿اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے﴾۔[12]

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کوحکم دیتاہے کہ وہ عدل احسان کامعاملہ کرے۔جیسا ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿اللہ تمہیں انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے﴾۔[13] اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنے بندوں سے عدل وانصاف کا تقاضا اس لیے کیا ہے کہ وہ خود قائم بالقسط ہے، دوسرے یہ کہ اس نے بندوں کی تخلیق کے متعلق بتایا:﴿وہی تو ہے جس نے تجھے بنایا اور(تیرے اعضاء کو)ٹھیک کیا اورمعتدل رکھا﴾۔[14] یعنی اس نے انسان کو پیدا کر کے اس کے اندر ایک توازن اور اعتدال قائم کیا۔قرآنی تصور کے بعد جناب رسالت مآب کاتصورعدل قابل غور ہے۔جیساکہ ارشادباری تعالیٰ ہے:﴿اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں﴾۔[15]

اسی طرح آپ نے فرمایاکہ:(قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب اور سب سے زیادہ قریب مقام پانے والا شخص امام عادل ہو گا اور سب سے زیادہ مبغوض اور شدید ترین عذاب کا مستحق امام جابر ہو گا)۔[16] نیز ارشاد ہے:(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عادل حکمران اللہ کے پاس دائیں طرف نورانی منبروں پر ہوں گے)۔[17]

العدالۃ الاجتماعیۃ کی تعریف مختلف علماء نے مختلف اندازسے کی ہیں۔ جن کا مفہوم تقریباً ایک ہی ہے:

سید عبدالرزاق کمونہ کے نزدیک عدل اجتماعی "تمام انسانی ضروریات کوپورا کرنا ہے"۔[18] ڈاکٹر احمد مختار کہتے ہیں کہ عدل اجتماعی: "ایسا اقتصادی نظام ہے جو معاشرے میں بڑھتی ہوئی اقتصادی تفریق کو ختم کرے"۔[19] جبکہ ڈاکٹر أحمد شرباصی رقمطراز ہیں کہ: "عدل کسی ایک جانب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ وہ زندگی کے تمام جوانب پر محیط ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ عدل ہر چیز میں ہونا چاہیے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، ثقافتی جملہ حقوق وغیرہ میں۔ اس کے بغیر معاشرہ سعادت،امن اوراستحکام سے دوچار نہیں ہوسکتا"۔[20]

ان تعبیرات سے مراد معاشرے میں اجتماعی تعاون و کوشش ہے جو کہ معاشرے کے افراد کے درمیان ایک مضبوط اجتماعی رابطہ پیدا کر سکے اور ایک معاشرہ مکمل اور بہترین قسم کی سہولتوں سے ہی تشکیل پاتا ہے۔[21]

الاجتماع کی اہمیت:

انسان فطرۃ مدنی الطبع ہے اور اجتماعی زندگی اس کے لیے ناگزیر ہے اور وہ اپنی زندگی کی تمام ضروریات خود اکیلا مہیا نہیں کر سکتا، لہذا انھیں پورا کرنے کے لیے باہمی تعاون کی ضرورت پیش آتی ہے اسی کے سبب معاشرہ ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ ابن خلدون نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ:"إن الاجتماع الإنساني ضروري"۔[22] انسانی معاشرے کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جماعت ایک اکائی ہے جو افراد پر مشتمل ہے اس طرح معاشرے میں ایک قوم اپنی جگہ مستقل وجود رکھتی ہے اور انسانیت سب قوموں کو اپنے احاطہ میں لیے ہوئے ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ اجتماع انسانی کا آغاز اگرچہ اس لیے ہوا تھا کہ لوگ زندہ رہ سکیں۔ لیکن اسے قائم رکھا گیا تو اس لیے کہ خوش بختی کی زندگی بسر کریں اور انسان اور حیوان میں کوئی ما بہ الامتیاز ہے تو یہی کہ انسان کو خیر وشر، ظلم اور عدل کا ادراک حاصل ہے۔ انسان اگر اشرف المخلوقات کے درجے تک پہنچا تو اسی اجتماع کی تکمیل سے، ورنہ قانون اور عدل کے بغیر تو اس کا درجہ ارذل المخلوقات سے بھی گر جاتا۔[23]

خلاصہ کلام یہ کہ تمام بڑے علماء و حکماء اجتماعی زندگی کی اہمیت پر زور دیتے رہے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں ابن مسکویہ،[24] مولانا عبید اللہ سندھی[25] یا علامہ محمد اقبال کے فرمودات۔[26]

عدل اجتماعی کی اہمیت:

اقوام عالم کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ انسانی معاشرے محدود دائرے میں بند نظر آتے ہیں۔ یہ دائرے جغرافیائی، نسلی ولسانی، معاشی حد تک محدود ہیں لہذا ان دائروں کے نتیجے میں پیدا شدہ معاشرہ بغض وعناد، گروہیت، نسلیت اور قوم پرستی تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے، چنانچہ قرآن حکیم نے معاشرے کو بغض وعناد اور محدود دائروں سے نکال کر ہمہ گیریت کا تصور پیش کیا اور سارے انسانیت کو وحدت کے اندر پرو کر اسے اجتماعیت کی فکر عطا کی۔ قرآن حکیم نے انسانیت کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:﴿اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا﴾۔[27]

پیغمبر اسلام حضرت محمد نے اسی قرآنی فکر کو اپنایا اور کل انسانیت کی وحدت اور اجتماعیت کے لئے شب وروز جدو جہد فرمائی۔ اسی صفت کی وجہ سے خالق کائنات نے آپ کو رحمت اللعالمین کے خطاب سے نوازا۔ آپ جہاں اعلیٰ درجہ کے خدا پرست تھے وہاں اعلیٰ درجہ کے انسان دوست تھے۔ مخلوق سے محبت، ان پر رحم وکرم آپ کی اعلیٰ درجہ کی

صفات میں شامل تھیں۔ آپ کی جدو جہد اور فکر کسی خاص گروہ ، فرقہ، نسل تک محدود نہ تھی۔ بلکہ آپ پورے عالم انسانیت کی بھلائی وبہبود کے لئے کوشاں رہے انسانیت کی مفلوک الحالی ، فکری پسماندگی اور ان پر ہونے والے ظلم وجبر اور استبداد پر ہمیشہ آپ کڑھتے اور اس کے سد باب کے لئے ہمہ وقت مصروف العمل رہتے۔ آپ کی عملی زندگی رواداری، وسیع المشربی، برداشت، تحمل اور عفوودر گزر کا نمونہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں: (مجھ سے پہلے ہر نبی اپنی ایک مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ لیکن میں تمام عالم انسانیت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں)۔[28]

انسانی زندگی میں باہم اختلاف کا پیدا ہونا بالکل فطری امر ہے۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لیے اسلام نے نظام عدل وضع کیاہے جومعاشرے کے تمام عناصر کو اپنے اپنے مقام پر رکھتاہے۔ اس نظام کا تقاضا ہے کہ ہر سطح پر عدل کا اہتمام کیا جائے۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:﴿انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو﴾۔[29]

یہاں عدل کاحکم تمام مسلمانوں کے لیے ہے کہ ہر شخص ہر سطح پر عدل کااہتمام کرے۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدل محض کسی مخصوص شعبے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ روز مرہ زندگی کے تمام اقوال وافعال میں توازن پیدا کرنے کانام ہے۔[30]

عدل کوایک آفاقی حقیقت کادرجہ حاصل ہے۔ دنیا کا کوئی بھی معاشرہ ہو عدل کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جس معاشرہ میں عدل نہیں ہو گا تو ظلم ہو گا اور ظلم معاشرہ کی تباہی کا باعث ہو گا اسی لیے اسلام میں عدل وانصاف پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ اگر عدل وانصاف ہو گا تو انسانی معاشرے میں امن وسکون ہو گا۔ قرآن وحدیث میں کئی مقامات پر عدل وانصاف کو تاکیداً بیان کیا گیا ہے۔

عبادت ومعاملات میں اعتدال:

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے جو اصل چیز مطلوب ہے وہ عبادت ہے اوراس کی تخلیق کامقصد بھی یہی ہے۔ جیساکہ ارشادباری تعالیٰ ہے:﴿اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں﴾۔[31]

اللہ تعالیٰ نے انسان کواپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے لیکن اس کے باوجوداس کواعتدال میں رہنے کی تلقین کی گی ہے اورارشادباری تعالیٰ ہے کہ:﴿رات کو قیام کیاکرو مگر تھوڑی رات۔ (قیام) آدھی رات (کیا کرو) یا اس سے کچھ کم﴾۔[32]

آپ ﷺ کووہ عمل زیادہ پسندیدہ تھاجو اگرچہ تھوڑاہو لیکن ہمیشگی رکھتاہو۔[33] اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے غیر معمولی طور پر زیادہ عبادت کرنے والے صحابی عبد اللہ بن عمروؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "تمہارے جسم کا بھی تم پر حق

ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تم سے ملاقات کرنے والوں کا بھی تم پر حق ہے"۔[34]

آپ نے عدل کے فلسفہ کو انسانی معاشرے میں غالب کرنے کی تلقین اور جدوجہد کی ہے۔ چنانچہ آپ ہر معاملے میں اعتدال اور اقتصاد کو ترجیح دیتے تھے کہ یہی چیز انجام کار اور نتیجہ خیز ثابت ہوتی ہے آپ خود بھی ہمیشہ اسی پر عامل رہے اور اپنے اصحاب کو بھی اسی کی تاکید کرتے رہے۔[35]

نظام عالم اور عدل اجتماعی:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فیض سے آفاق والنفس کے ذرہ ذرہ میں ایک بے مثل اور لاجواب عدل اجتماعی قائم ہے جب تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی منشا نہ ہو ان کا آپس میں ٹکراو ممکن نہیں پورے نظام کائنات میں اللہ سبحانہ کی مرضی کے مطابق ہر سیارہ اور ستارہ اپنے مدار میں حرکت کر رہا ہے۔ ہر شئے اس منہاج السوی پر عمل پیرا ہے جس کا حکم رب کائنات نے دیا ہے سب کے لیے ایک جیسا قانون ایک پیمانہ اور ایک ڈگر ہے سب ایک ہی مستقر کی جانب رواں دواں ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا یہ سب آسمان میں تیر رہے ہیں﴾۔[36] دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:﴿نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں﴾۔[37]

اسی طرح ایسی مزید کئی آیات ہیں جو کائناتی نظام میں قائم عدل کی نشاندہی کرتی ہیں۔[38]

تخلیق انسان کا مقصد عدلِ اجتماعی کا قیام:

انسان کی یہ بہترین تخلیق جہاں خالق کے خود کمال کے اعلیٰ ترین درجے پر ہونے کی دلیل ہے، وہیں اس بات کی بھی شاہد ہے کہ اگر اس نے، جو عادل ہے اور انسان کو تعدیل کے ساتھ پیدا کیا ہے، تو انسان کا فرض ہے کہ وہ عدل کو اپنا وتیرا بنائے اور عدل وتوازن کے قیام کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے خلیفہ کی حیثیت سے اس نظام عدل کو قائم کرے، جس کا مکمل نقشہ خالق کائنات نے اپنے کلام کے ذریعے انسانوں تک پہنچادیا ہے، تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں عدل قائم کیا جاسکے کہ کارِ نبوت کا اصل ہدف یہی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:﴿ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کریں اور ترازو (یعنی قواعدِ عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں﴾۔[39]

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: میزان اور حدید کی وضاحت ان تاریخی الفاظ میں کرتے ہیں کہ میزان، یعنی وہ معیار حق وباطل جو ٹھیک ٹھیک ترازو کی طرح تول تول کر یہ بتا دے کہ افکار، اخلاق اور معاملات میں افراط وتفریط کی مختلف انتہاؤں کے درمیان انصاف کی بات کیا ہے انبیاء علیہم السلام کے مشن کو بیان کرنے کے معاً

بعد یہ فرمانا(یعنی لوہے کا نازل کیا جانا) خود بخود اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں لوہے سے مراد سیاسی اور جنگی طاقت ہے اور کلام کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو قیامِ عدل کی محض ایک اسکیم پیش کر دینے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا تھا، بلکہ یہ بات بھی ان کے مشن میں شامل تھی کہ اس کو عملاً نافذ کرنے کی کوشش کی جائے اور وہ قوت فراہم کی جائے جس سے فی الواقع عدل قائم ہوسکے، اسے درہم برہم کرنے والوں کو سزا دی جاسکے اور اس کی مزاحمت کرنے والوں کا زور توڑا جا سکے۔[40]

عدل انسانیت کا منشورِ اعظم:

قرآن نے انسان کو ایک کنبہ کے افراد کی حیثیت دے کر خطاب کیا کہ تمام انسانوں کی تخلیق کا خمیر ایک ہے۔[41] تمام انسانوں کا تولیدی سلسلہ بھی ایک ہی ہے۔[42] تمام انسان عزت وتکریم کے اعتبار سے برابر ہیں۔[43] تمام انسان اجتماعی اعتبار سے بھی مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔[44] ہر انسان کا مقصدِ تخلیق اور حیثیت بھی یکساں ہے۔[45]

قرآن کے ان واضح ارشادات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہے کہ انسان اپنی تخلیق اور وجود کے مراتب میں یکساں درجہ رکھتا ہے اور کسی ایک فرد کو دوسرے فرد پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ پیدائش کے تمام مراحل اور حیات کے تمام مراحل میں انسان ایک سا درجہ رکھتے ہیں۔[46] اسی طرح عدل انسان کی زندگی کے ہر شعبہ کا جزو لازم ہے۔ اسلام نے عدل وانصاف کا ایک اعلی معیار قائم کیا ہے کہ اس میں شاہ وگدا، امیر وغریب اور ذات پات کی کوئی قید نہیں۔ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں۔ کسی کا بڑا ہونا یا کسی کا اعلی خاندان سے تعلق رکھنا یا کسی کا امیر ہونا یا کسی کا حکومت کے سربراہ کا بیٹا ہونا انصاف وعدل کے نفاذ اور حدود سے دور نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کیلئے سچی گواہی دو﴾۔[47]

عدل کا منشأ:

اسلامی تصور کے مطابق عدل کا طبعی یہ منشأ ہے کہ افراد معاشرہ کے مابین فتنہ انگیز اختلافات فروغ نہ پائیں اور پیدا شدہ اختلافات کو عدل کے ذریعے رفع کر دیا جائے تاکہ فریقین تنازعہ میں یگانگت کی فضا پیدا ہو جائے اور معاشرہ میں امن وسکون رہے۔[48] قرآن بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔[49]

امام سرخسی نے اپنی کتاب المبسوط میں لکھا ہے کہ: "اسلام میں انصاف کا انحصار مذہبی اصول کے اطلاق پر ہے۔ اس لیے اس میں کسی مادی تصور کا دخل نہ ہونا چاہیے"۔[50] سیّد قطب کے نزدیک خوشحالی کی متلاشی دنیا اپنے اس حالیہ تہذیبی بحران کا حل اسلام کے صالح اور عادلانہ اجتماعی نظام کی آغوش میں ہی پا سکتی ہے۔[51]

عدل کی اقسام:

اپنی وسعت کے اعتبار سے حیات کے کئی پہلو ہیں اس لیے عدل بھی متنوع المظاہر ہے انفرادی اجتماعی قومی اور بین الاقوامی زندگی میں عدل کی مختلف تعبیرات ہیں اجتماعی عدل میں معاشی اقتصادی معاشرتی اخلاقی اور قانونی وغیرہ سب پہلو شامل ہوتے ہیں مثلاً:

ا۔ معاشرتی عدل:

اس سے مراد ہے کہ معاشرہ کے تمام افراد کو باعزت اور پر سکون زندگی گزارنے کا موقع دیا جائے ہر فرد کو اس کی صلاحیت کے مطابق اس کا مقام دیا جائے نیز باہمی تعلقات اور دیگر معاملات میں اگر عدل کو شامل حال رکھا جائے تو معاشرہ بے انصافی اور عدم توازن سے بچ جاتا ہے۔ معاشرتی عدل کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ہر انسان کو بنیادی طور پر آزاد تسلیم کیا جائے۔ جیساکہ حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن العاص کے معزز فرزند کو مخاطب ہوکر یہ الفاظ کہے کہ: "لوگوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا، تم نے انہیں اپنا غلام کب سے بنا لیا"۔[52]

۲۔ معاشی عدل:

اسلام ہر فرد کو اس کی اہلیت کے مطابق جائز معاشی حق دیتا ہے تاہم وہ اس کے ساتھ ساتھ کمزوروں اور غریب لوگوں کو معاشی تحفظ فراہم کرنے کی تاکید بھی فرماتا ہے۔ اسلامی معاشیات کا بڑا سنہرا اصول ہے کہ: (یعنی اعتدال سے انسان تنگ دست نہیں ہوتا)۔[53] اسلام عدل اجتماعی کے لیے اوپر سے ٹھونسی گئی معاشی مساوات کا قائل نہیں ہے، مال و دولت کا کسب ایسی صلاحیتوں پر منحصر ہے جو سب کو برابر نہیں ملتی ہیں لیکن اسلام یہ شرط عائد کرتا ہے کہ مواقع سب کو یکساں حاصل ہوں کسی شخص کی راہ میں حسب ونسب رکاوٹ نہ بنے۔[54] انفرادی زندگی میں مادہ اور روح کے ساتھ توازن ہی کامیابی کی ضامن ہے۔ اس لئے سرور عالم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: (مزدور کی اُجرت اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو)۔[55]

۳۔ عائلی عدل:

عدل انسانی زندگی کے سب شعبوں کا احاطہ کرتا ہے۔ ان شعبوں میں ایک شعبہ عائلی شعبہ ہے۔ اور یہ شعبہ پورے معاشرے کی جان ہے۔ وہ گھرانہ جنت کا نمونہ ہوتا ہے جہاں والدین ، میاں بیوی ،اولاد ایک دوسرے کے باہمی حقوق عدل وانصاف سے ادا کرتے ہیں۔ عائلی زندگی میں عدل کی سب سے زیادہ ضرورت اس شخص کو ہوتی ہے جس کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوں۔ کیونکہ وہ ایک بیوی اور اس کی اولاد کی طرف زیادہ توجہ دے گا۔تو لازما دوسری بیوی اور اس کے بچوں کے حقوق صحیح طرح ادا نہیں کر سکیں گے۔اس طرح نا انصافی اور بے راہ روی کی فضا قائم ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جب بعض خصوصی حالات کے پیش نظر ایک سے

زائد شادیوں کی اجازت دی ہے تو ساتھ ہی عدل وانصاف کا بھی حکم دیا ہے۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :﴿اور اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ سب سے یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک ہی کافی ہے﴾۔[56]

۴۔ سیاسی عدل:

سیاسی عدل سے مراد یہ ہے کہ معاشرے کے صاحب الرائے اور فہم عناصر کو ملکی معاملات میں مشورہ دینے کا پورا پورا حق ہے۔ قانون کے دروازے ہر فرد پر کھلے رہنے چاہئیں ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے کے بعد اپنے حقوق وصول کرنے کا اہل ہے اگر اس کے حقوق پر کسی قسم کی دست درازی ہو تو اسے قانونی مدد حاصل کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

نظامِ عدل کے قیام کا مقصد:

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسان کو معتدل و متناسب بنا کر جو مقصد اور مشن اس کے سپرد کیا وہ بھی اس ترکیب تخلیق سے گہری مناسبت رکھتا ہے، یعنی ایک ایسا متوازن، معتدل اور متناسب نظام کا قیام جس میں ظلم واستحصال، اللہ سے بغاوت، اخلاقی اصولوں کی خلاف ورزی، انسانی حقوق کی پامالی نہ پائی جاتی ہو، اور فرد، معاشرہ، معیشت، سیاست، ثقافت، قانون، غرض ہر شعبہ حیات میں مکمل عدل پایا جائے۔ نظامِ عدل کے قیام کے لیے قرآن وسنت نے جو اصول اور لائحہ عمل بتایا ہے اسے جب اور جہاں کہیں اختیار کیا جائے گا معاشرے میں عدل وانصاف کے قیام کے راستے کشادہ ہو جائیں گے اور جہاں کہیں بھی ان اصولوں سے انحراف کیا جائے گا متضاد نتائج سامنے آئیں گے۔

قرآن کریم عدل کی جامع اور مثبت اصطلاح کو ظلم، فساد، عدوان اور طاغوت کی اصطلاحات کی مخالف اصطلاح کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ جو لوگ زمین میں فساد اور ظلم پھیلاتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں اپنے عادل، مطیع اور متقی بندوں کے ذریعے تبدیل کرتا ہے تاکہ زمین میں قیامِ عدل ہو اور انسان افراط وتفریط کی جگہ متوازن طرزِ حیات اختیار کر سکیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے پر (چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا تو ملک تباہ ہو جاتا﴾۔[57]

قیامِ عدل اور فرد کا کردار:

اللہ کی زمین پر اس کا حکم اور نظام قائم کرنے کے لیے اہلِ ایمان میں ایک ایسی منظم جماعت ضروری ہے جو منزل اور مقصد کا واضح شعور رکھتی ہو اور جس کا ہدف صرف اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایات کا نافذ کرنا ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے﴾۔[58]

گویا نظامِ عدل اپنے آپ نافذ نہیں ہوجائے گا بلکہ اس کے لیے مسلسل جدوجہد، ایثار و قربانی اور جوش اور ولولہ کے ساتھ کوشش کرنی ہو گی۔

عدلِ اجتماعی کا تصور:

اسلامی نظامِ حیات میں عدل کو کلیدی حیثیت حاصل ہے، اسلام ہر معاشرے میں ہر فرد کے ساتھ ہر سطح پر اس کا داعی ہے۔ اکثر وبیشتر انقلاباتِ زمانہ کا ظہور نظامِ عدل کے خاتمہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ اسلامی نظامِ حیات میں یہ ایک آزاد اور متحرک اکائی ہے۔ معاشرتی سطح پر باہمی حقوق و فرائض کے تناسب کو قائم رکھنے کے لیے قضاء اور عدالتی نظام کی بناء ڈالی گئی اور افرادِ معاشرہ کے حقوق و فرائض کو ان کی حیثیت کے اعتبار سے متعین کر دیا گیا اور مطالبہ حقوق کی بجائے اتیائے فرائض پر زور دیا گیا تاکہ عدلِ اجتماعی کا تصور خود بخود قائم رہ سکے۔ اسلام نے ایسا نظام قائم کیا ہے جو لامحدود ہے اور یہ معاشرتی انصاف کے تصور کو واضح کرتا ہے تاکہ ایک ایسا انسانی معاشرہ تشکیل پا سکے جو معاشرتی طبقات و گروہ سے مکمل طور پر پاک ہو اور ان کو ایک دوسرے کے قریب کر سکے۔ ان نظاموں میں زکوٰۃ، صدقات، فرائض وواجبات، ناجائز ذرائع معاش کی حرمت، وراثت ووصیت اور انفرادی اور اجتماعی فرائض وواجبات کے نظام شامل ہیں جو کہ معاشرے کی بہتری کے لیے ضروری ہیں۔[59] عدل اجتماعی کا تصور اس وقت زیادہ کھل کر سامنے آتا ہے جب اس کے اندر روحانیت پیدا ہوتی ہے "کہ جس دن انسان اللہ کو اپنا خالق مان لیتا ہے تو اس کا ایمان اس تصور کی گہرائی کو پا لیتا ہے (عدل اجتماعی) اور اسی دن اس کی سوچ اس بھلائی کی طرف بڑھنا شروع ہو جاتی ہے"۔[60]

عدلِ اجتماعی کی خصوصیات

ہمہ گیر اور جامع:

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ محدود معنی میں کسی معاشی عدل کا نام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے زندگی کے تمام مظاہر اور ہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرہ میں داخل ہیں۔[61] عدل وانصاف کا قیام محض حکومت کا کام نہیں ہے بلکہ معاشرے کے تمام افراد کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق و فرائض میں عدل وانصاف کو مدنظر رکھے۔

استحکام:

اسلامی تصور عدل کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ کسی انسان یا سوسائٹی کا بنایا ہو قانون نہیں ہے جس میں ترمیم یا تنسیخ ہو سکے۔ اسلام میں قانون سازی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔[62] کوئی فرد اور جماعت

اقتدار اعلیٰ کی مالک نہیں ہے۔ دوسرے عناصر حکومت کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان اجتماعی نظام کے لیے اللہ تعالیٰ کے نائب کی حیثیت رکھتا ہے۔

قانونی مساوات:

اسلامی تصورعدل میں مسلم وغیر مسلم کا کوئی فرق نہیں اور ہر طاقتور شخص کو اپنی طاقت اور استطاعت کے مطابق مل سکے تاکہ وہ اپنا فرض مناسب اور بھلے طریقے سے نبھا سکے اوراس کی صلاحیتں ظاہر ہو سکے اور وہ غریب اور عاجز لوگوں کی کفالت کرسکے۔ تاکہ وہ لوگ بھی ایک بہترین وپر آشائش زندگی بسر کرسکیں۔[63]

قانون اور انصاف کی بالادستی:

قرآن کے نزدیک مجرموں کے خلاف محض قانون کا نفاذ سب سے کم درجہ میں انصاف کی فراہمی ہے۔ عدل‌وانصاف کا بلند ترین درجہ تو لوگوں کے اخلاقی معیار کو بلند کرنااور انہیں روحانی طور پر اونچا کرنا ہے اور انہیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ دوسروں کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے بجائے ان کی حفاظت اور نگہداشت کریں۔ اس اخلاقی معیار کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی دشمن سے بھی کوئی جرم سرزد ہو جائے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ انصاف کریں اور زیادتی سے گریز کریں: "اے ایمان والو! اللہ کیلئے انصاف کی گواہی دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو"۔[64]

عدل وانصاف کا قیام ہر مہذب ومتمدن انسانی معاشرہ کی اوّلین ضرورت اور ہر مہذب ومتمدن حکومت کا سب سے اہم فریضہ ہے عدل کے بغیر نہ لوگوں کے درمیان حقوق‌وفرائض کا تعین ہو سکتا ہے اور نہ ظلم واستحصال کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ ہر زمانہ میں قانون سازی اور تشریع کا بنیادی مقصد اس کو سمجھا گیا ہے۔ اسلام نے عدلیہ کی بالادستی کا جو تصور پیش کیا ہے۔ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عدلِ اجتماعی کے بنیادی اصول:

اجتماعی عدل کے اسلامی تصور کاپہلا اصول یہ ہے کہ وہ محدود معانی میں کسی معاشی عدل کانام نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر اور جامع انسانی عدل ہے زندگی کے تمام مظاہر اورہر طرح کی سرگرمیاں اس کے دائرے میں داخل ہیں۔

اجتماعی عدل کے اسلامی تصورکا دوسرا اصول یہ ہے کہ اسلام زندگی کوتعاون و ہم آہنگی اور ہمدردی و مواخاۃ کا نام ہے۔[65] اسلام اجتماعی عدل کے قیام میں انہیں دو بنیادی اصولوں کوسامنے رکھتاہے یعنی متوازن باہم مربوط اور مکمل وحدت اور افراد اور جماعتوں کے درمیان تعاون اوردوستی کی اسپرٹ۔[66]

بنیادی نظریہ:

اسلام کائنات، حیات اورانسان کی بابت ایک بنیادی نظریہ رکھتاہے۔ اجتماعی عدل کا تصور اسی بنیادی فکر کا پَرتو ہے۔ یہ نظریہ اسلامی عدل کو ایسا وسیع اور جامع انسانی عدل بنا کر پیش کرتاہے جو مادی امور یا معاشی مسائل تک محدود نہیں۔ اس کے نزدیک زندگی کی حقیقی قدریں بیک وقت ماڈی بھی ہیں اور معنوی بھی۔[67]

عدل اجتماعی کے اصول وضوابط

اسلام نے اجتماعی عدل کے لیے اصول وضوابط مقرر کئے ہیں،مالداروں کی دولت میں فقراء کا حق متعین کیا ہے اور حکومت واقتصاد کے لیے عدل وانصاف پر مبنی نظام دیاہے اور فطری حقوق عدل وانصاف کی پامالی کرنے والوں کو ظالم اورآخرت میں عذاب شدید کی وعید کی ہے۔[68]

انصاف کا برتاؤ:

کسی کے ساتھ بھی ناانصافی کا برتاو نہ کیاجائے خواہ وہ دشمن ہی ہو۔ جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو (بلکہ) انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے﴾۔[69]

اپنی قوم اوردوسری قوم میں کوئی اختلاف ہواوراس سلسلے میں حق دوسری طرف ہوتوبرملااس کااعتراف کیاجائے۔ جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ: ﴿اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کیلئے سچی گواہی دو، خواہ (اس میں)تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو﴾۔[70]

اجتماعی کفالت:

اجتماعی کفالت کامفہوم یوں ہے کہ افراد اورجماعت معاشرے کی تشکیل اس طرح ہوکہ فردی مصلحت جماعتی مصلحت میں گھل مل جائے۔ بلکہ فردکی اپنی حیثیت بھی برقرار رہے اور جماعت کادبدبہ بھی قائم رہے۔ پس افرادجماعت کی کفالت میں ہوں۔ اسی طرح جماعت فردی مصالح کوپیش نظر رکھے اوران کونقصانات سے بچایئں۔[71]

باہمی تعاون:

افراد اورقومیں اپنے مخصوص ماحول میں رہتے ہوئے اپنے ہی مفاد کومدنظر رکھ کرفیصلے کرتی ہیں اس طرح کے فیصلے بسااوقات دوسرے افراداور قوموں کے مفادکے خلاف پڑتے ہیں۔ دوسروں کے ساتھ ناانصافی سے بچنے کے لیے قرآن کریم ایک بہترین اصول وضع کرتاہے اور عدل اجتماعی کے لیے اصول متعین کرتاہے۔ قرآن کریم اس اصول کوان الفاظ میں بیان کرتاہے:﴿اور نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو﴾۔[72]

اخوت واتحاد:

اخوت واتحاد کی ضرورت واہمیت بھی مسلّم ہے اس عالم آب وگل میں تمام انسانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب مل کرایک ایسا معاشرہ تشکیل وترتیب دیں،جہاں تمام معالات کی بنیاد اخوت واتحاد پر ہو،جہاں تمام فیصلے اسی بنیاد پرہوں،درحقیقت اخوت واتحاد ہی وہ بنیادی عنصر ہیں جن سے کام لے کرکسی بھی قوم کی شیرازہ بندی کی جاسکتی ہے۔[73]

پیغمبر اسلام نے اخوت کے اس تصور کو اپنے آخری خطبہ میں بیان کیا جو آپ نے ۸ ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا: (بے شک تمھاری جانیں اور تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں۔ اسی طرح حرمت والی ہیں۔ جیسے تمھارے لئے آج کے دن (یعنی حجتہ الوداع) کی حرمت ہے)۔[74]

پیغمبر اسلام نے تمام مسلمانوں کے اندر یکجہتی اور اخوت ویگانگت کو اس طرح فروغ دیا کہ ان کو بھائی بھائی بنا دیاچاہے مشرق میں رہنے والا مسلمان ہو یا مغرب میں ،دنیا کے کسی بھی خطے میں رہنے والے مسلمان کو ایک لڑی میں پرو دیا اور یہی بھائی چارہ آگے چل کر انسانی بھائی چارے کی نوید بنا۔ مغربی مفکر ریورینڈ مرے ٹائٹیں بیان کرتا ہے: "اخوت اسلامی ایک عقیدہ ہی نہیں بلکہ یہ حق ہے،ایک قانونی نظام بھی ہے اور معاشرتی نظام بھی۔ اسلام میں واقعی ایسی اخوت موجود ہے جو رنگ ونسل ،طبقے اور قومیت میں اتحاد کا عامل ہے"۔[75] مغربی مفکر جان ایس ھائی لینڈ اسلامی اخوت کو عالمگیر انسانی اتحاد کے حوالے سے ایک اہم اساس قرار دیتا ہے۔[76]

ہمدردی وغم خواری:

رسول اللہ رحمتہ للعالمین ہیں اورآپ کی تعلیم ساری دنیاکے لیے آبِ رحمت ہے آپ نے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کے ساتھ ہمدردی،رحم اورحسنِ سلوک کے بارے میں اپنے ماننے والوں کو خاص ہدایات فرمائیں تاکہ لوگوں کے دل آپس میں پوری طرح جڑے رہیں۔[77]

وحدتِ نسل انسانی:

آپ نے حجتہ الوداع کے موقع پر اپنے عظیم الشان تاریخی خطبہ میں ارشاد فرمایا: (اے لوگو! خبر دار بے شک تمہارا خدا ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ خبردار کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کسی سیاہ کوسرخ پر اور کسی سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں۔ سوائے تقوی اور پرہیز گاری کے)۔[78]

یہ وہ تاریخی الفاظ تھے جووحدتِ نسل انسانی کے تصور کا عالمگیر اعلان تھا اور جس کی بنیاد پر پیغمبر اسلام نے تمام گروہی، نسلی، لسانی اور علاقائی عصبیتوں کو کالعدم قرار دے دیا اور انسانی معاشرہ کی اساس نسل انسانی کی وحدت اور شرف وتکریم انسانیت کے تصور پر قائم فرما دی۔[79]

صبر واستقامت:

صبر واستقامت جس طرح انفرادی زندگی میں ضروری ہے اسی طرح اجتماعی زندگی، ملکی سیاست اور فلاحِ انسانیت کے سلسلے میں بھی اس کی اہمیت مسلّم ہے،یہی وہ صفت ہے جس کو مضبوطی سے تھام کر ملکی سیاست کو مستحکم بنایا جا سکتا ہے اور دشمن کے حیلوں، مکر وفریب اوراس کی تباہ کن تدابیر سے انفرادی اور اجتماعی طور پر محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِباری تعالیٰ ہے:﴿اور اگر تم تکلیفوں کو برداشت اور (اُن سے) کنارہ کشی کرتے رہو گے تو اُن کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا﴾۔[80]

اس آیت میں مسلمانوں کو فتح وکامرانی اور ہر قسم کی مصیبت وپریشانی اورآزمائش وامتحان میں صبر وتقویٰ اختیار کرنے کے لیے کہا گیاہے اور بتایا گیاہے کہ اس کے ذریعے مخالفین ومنافقین کی سازشوں اوران کے مکروفریب سے بچا جاسکتاہے۔[81]

رحم ومحبت:

انسانی معاشرے میں رحم ومحبت کے قیام ہی کے ذریعے ایک امن وسلامتی کا ماحول پیدا کیا جا سکتا ہے اسی لیے رسول اللہ نے انسانوں،اقوام اور معاشروں کے درمیان رحم کے جذبات کو نہایت اہمیت دی تاکہ معاشرے اپنے وجود کو قائم رکھتے ہوئے ایک ہمہ گیر تہذیب کے مقاصد کو پورے کر سکیں۔ جریر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا کہ: (جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا)۔[82]

رسول اللہ مسلمان کوایک ایسے معاشرے کے لیے تیار کرتے ہیں جونہ صرف اپنے قومی معاشرے میں اعلیٰ انسانی کردار کاحامل ہوبلکہ وہ انسانی قدروں کا حامل ہوکر ایک عالمگیر معاشرے کی تشکیل کے لیے کمربستہ ہوجائے۔ لہذا آپ نے ایک مسلمان کی یہ پہچان قراردی کہ وہ سارے انسانوں کے حقوق کی پاسداری میں سب سے اول درجے پررہے گااوراس کے کسی بھی عمل سے انسانوں کو نقصان نہیں پہنچے گا اور ساتھ یہ تلقین کردی کہ: (مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)۔[83]

اضطراری کیفیت:

اجتماعی عدل وانصاف کے لیے انسان کے اندر اضطراری کیفیت کا ہوناضروری ہے اوراگر یہ اضطراری کیفیت نہ ہوتووہ ایک دوسرے کے حق کو کبھی پورانہیں کر سکے۔ انسان قدرتی طورپراجتماعیت کوپسند کرتاہے اوروہ اجتماعی عدل کاحکم دیتاہے اوربے شک یہ سب چیزیں اضطراری کیفیت سے ہی قائم ہوسکتی ہیں۔[84]

جمہوری رویے:

اسلام میں انفرادیت اور اجتماعیت کے ما بین اعتدال کا ایک خوبصورت نظام پیش کیا گیا جس کی روح میں جمہوریت رچی بسی نظر آتی ہے۔[85] لہذا اسلام کی اسی روح کو اساس بناتے ہوئے آپ نے ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جس میں آزادی اظہار رائے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ حقوق کے حوالے سے ہر فرد ومعاشرہ بلاکسی تفریق کے انصاف کے لیے آواز بلند کرنے میں آزاد تھا۔ آپ نے جمہوری رویوں کو معاشرے میں فروغ دیا۔ حضور کا معمول تھا کہ مختلف معاملات میں صحابہ کرامؓ سے رائے لیتے اور اظہار رائے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی فرماتے جنگ احد میں اکثریت کی رائے کا احترام کرتے ہوئے" آپ نے دیکھا کہ اکثریت باہر نکل کرجنگ کرنے کے حق میں ہے تو اسی کے مطابق جنگ کرنے کا عزم کیا"۔[86] آپ نے جائز تنقید کی مکمل اجازت دے رکھی تھی پیغمبر ہونے کے باوجود کبھی اپنی ذاتی رائے زبر دستی مسلط نہیں کی۔ " ایک غزوہ میں آپ نے مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ فلاں فلاں مقام پر قیام کریں اور پڑاؤ ڈالیں ایک صحابی نے دریافت کیا یہ ارشاد وحی سے ہے یا آپ کی ذاتی رائے سے۔ آپ نے فرمایا یہ میری ذاتی رائے ہے صحابی نے عرض کیا پھر تو یہ منز ل مناسب نہیں اسکے بجائے فلاں فلاں منزل مناسب ہو گی چنانچہ اسی رائے پر عمل کیا گیا"۔[87]

بعثت نبوی سے پہلے حکومتوں کا حال:

جس وقت اسلام آیا ہے اور رحمت عالم نے حق کی آواز بلند کی ہے۔ دنیا اس وقت دو عظیم الشان سلطنتوں کے قبضہ میں تھی، ایران اور روم۔ اسلام سے قبل دنیانسل، زبان اور رنگ کے دائروں میں منقسم تھی۔ انسانیت کا احترام نام کو نہ تھا۔ آتش کدہ فارس میں انسانی عظمت جل کر راکھ ہو رہی تھی۔ یونان کی حکمت نے وجود وزن کو کائنات کے لیے لعنت تشخیص کیا اور بت کدہ ہند میں دیوتاؤں کے قدم عورت کی مقدس قربان گاہ تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی فصاحت پر ناز تھا کہ وہ ایرانیوں کو عجمی کہا کرتے تھے۔ ایرانی سفید فام تھے اور اس پر اتنا اتراتے تھے کہ حبشیوں اور ہندوستانیوں کو کوے کہتے۔ حالانکہ اس وقت بھی ہندوستان میں معاشرہ چار ذاتوں میں بٹا ہوا تھا اسلام آیا تو اس نے کہا:

﴿اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا اہلِ دانش کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں﴾۔[88]

اسی فرمان الٰہی کے پیشِ نظر اسلامی حکومت میں بلال حبشیؓ اور صہیب رومیؓ میں کوئی فرق نہ رہا۔ یہی وجہ تھی کہ نہ ترکوں نے حبشیوں کی کبھی توہین کی اور نہ عربوں نے چینیوں کے ساتھ پر امن زندگی گزارنے میں کوئی دشواری محسوس کی۔ کیونکہ آپ نے فرمایا دیا تھا کہ: (الخلق عیال اللہ)۔[89]

عدل وانصاف حکومت روم میں :

انصاف کا حال یہ تھا کہ بقول سیل (Sale) جس طرح اشیاء کی خرید وفروخت ہوتی تھی اور ان کے دام ٹھہرائے جاتے تھے، اسی طرح انصاف بھی فروخت ہوتا اور رشوت وخیانت کی ہمت افزائی خود قوم کی طرف سے ہوتی تھی۔[90] اس سے بڑھ کر ظلم یہ تھا کہ ایک ہی جرم میں مختلف طبقے اور مختلف حیثیت کے لوگوں کو مختلف سزائیں دی جاتی تھیں چنانچہ موسیولاروس "دائرہ المعارف" میں لکھتا ہے کہ "روما میں سزائیں ایک ہی قسم کے جرموں میں مجرموں کی حالت اور حیثیت کے لحاظ سے مختلف دی جاتی تھیں"۔[91]

عدل وانصاف حکومت ایران میں :

ایران کے سلاطین اس بات کے مدعی تھے کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے گویا وہ خدا ہیں۔ "اونچ نیچ کا فرق، طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم ایرانی سوسائٹی اور نظام زندگی کا اٹل قانون تھا، جس میں ردوبدل ممکن نہ تھا"۔[92]

پیغمبر اسلام کی زندگی عدل اجتماعی کا بہترین نمونہ:

آپ نے عربوں کو باہم عدل وانصاف کا درس دیا اور ظلم وزیادتی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ قیام امن کے معاہدے فرمائے۔ آپ حرب فجار میں شریک تو ہوئے مگر آپ کو یہ شرکت ہر گز پسند نہ تھی۔[93]

حرب فجار میں ہونے والی خونریزی کے بعد آپ نے قریش کے سرکردہ لوگوں سے گفتگو فرمائی اور اس بے چینی کو دور کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ ان کوششوں کے نتیجے میں حلف الفضول کا معاہدہ ہوا۔

حلف الفضول میں شرکت:

حلف الفضول ایک مہذبانہ وشریفانہ معاہدہ تھا جو کمزوروں کی حمایت اور اپنے حقوق کے دفاع کے لیے تھا۔ یہ معاہدہ جنگِ فجار سے واپسی پر مکہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر ہوا شرکاء معاہدہ نے اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتے ہوئے عہد کیا کہ "جب تک دریا میں صوف کے بھگونے کی شان باقی ہے۔ ہم مظلوم کا ساتھ دیں گئے تا آنکے اس کا حق ادا کیا جائے"۔[94]

واقعہ حجر اسود:

حجر اسود کے واقعہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ خانہ کعبہ کی دیواریں سیلاب کی وجہ سے گر چکی تھیں۔ تمام قبائل نے اُسے دوبارہ تعمیر کرنے میں یکساں کردار ادا کیا تھا۔ لیکن جب حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا موقعہ آیا تو ہر قبیلے کی یہی خواہش تھی کہ یہ شرف انہیں ہی نصیب ہو۔ سمجھ دار لوگ اس معاملے کو نمٹانے کے لیے کعبہ میں جمع ہوئے اور طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو اُسے حکَم (جج) مان لیا جائے اور وہ جو فیصلہ کرے، وہ سب کے لیے قابل قبول ہو گا۔ دوسرے دن سب نے دیکھا کہ الامین کعبہ میں سب سے پہلے داخل ہو رہے ہیں۔ سب

پکارے اٹھے کہ: (لو، محمد آ گئے، ان کے فیصلہ پر تو ہم سب ہی خوش ہیں)۔[95] ابن سعد لکھتے ہیں کہ: حضور نے حجر اسود کو اپنی چادر میں رکھا اور سردارانِ قریش سے فرمایا کہ ہر سردار چادر کا ایک گوشہ پکڑ کر اسے اٹھائے۔ جب حجر اسود اپنی جگہ کے برابر پہنچا تو حضور نے اسے اٹھا کر اس کی جگہ پر نصیب فرما دیا۔[96] اس طرح حضور کے حسنِ تدبیر سے یہ معاملہ بہت احسن طور پر طے پا گیا اور تمام قبائل کو حجر اسود کی تنصیب کی سعادت بھی نصیب ہو گئی۔

مسلمانوں میں بھائی چارگی:

آپ نے مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات اور بھائی چارہ قائم کیا۔ ابن قیم لکھتے ہیں کہ: رسول اللہ نے حضرت انسؓ بن مالک کے مکان میں مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ کل نوے آدمی تھے، آدھے مہاجرین اورآدھے انصار۔ بھائی چارے کی بنیاد یہ تھی کہ یہ ایک دوسرے کے غمخوار ہوں گئے۔[97] آپ نے مہاجرین وانصار میں ایک دوسرے کے لیے قربانی اور ایثار کا جذبہ پیدا کر دیا جس کی مثال نہیں ملتی۔ مثلاً انصاری صحابی سعد بن ربیع اور مہاجر صحابی پر عبدالرحمن بن عوف مواخاۃ ہوئی تو سعد بن ربیع اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے کر ان کی شادی اپنے مہاجر صحابی حضرت عبدالرحمن بن عوف سے کرنے پر تیار ہوگئے۔[98]

میثاق مدینہ:

نبی نے جب مسلمانوں کے درمیان مواخات کا نظام استوار کرلیں تو غیر مسلموں کے ساتھ اپنے تعلقات منظّم کرنے کی توجہ فرمائی آپ کا مقصود یہ تھا کہ ساری انسانیت امن وسلامتی کی سعادتوں اور برکتوں سے بہرہ ورہو اوراس کے ساتھ ہی مدینہ اوراس کے گردوپیش کا علاقہ ایک وفاقی وحدت میں منظّم ہوجائے۔[99] اس کے لیے آپ نے مسلمان اوریہود کے درمیان ایک معاہدہ فرمایا جو کہ "میثاق مدینہ" کے نام سے مشہور ہے۔ ابن ہشام نے اس دستور کی ۳۵ دفعات کا پورا متن "السیرۃالنبویۃ" میں درج کر دیا ہے جن میں سے عدل اجتماعی سے متعلق چند ایک اس طرح ہیں کہ:

- قریش کے مہاجرین قبل اسلام کے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اوراپنے قیدوں کا فدیہ ادا کریں گے۔
- بنی عوف کے لوگ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدوں کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔
- اسی طرح حارث اور بنی ساعدہ اپنے دستور کے مطابق خون بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ خود فدیہ ادا کرکے اپنے قیدی چھڑائے گا۔
- مومنین کسی مفلس اور زیر بار شخص کو مدد دیے بغیر نہ چھوڑیں گے تاکہ اس کا فدیہ یا خون بہا بخوبی ادا ہو سکے۔
- بنی عوف کے یہودی مومنین کے ساتھ ایک امت (سیاسی وحدت) تسلیم کیے جاتے ہیں، یہودی اپنے دین پر رہیں، مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت وفساد میں نہیں ڈالیں گے۔

-بنی نجار، بنی حارث اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کو۔[100]

میثاقِ مدینہ کی شرائط سے مدینہ کو پر امن رکھنے کے بھرپور اقدامات پوری طرح سے عیاں ہیں۔

غزوات:

رسول اللہ کے چچا حضرت عباسؓ بدر کے قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئے اور بیڑیوں میں سخت جکڑ کر باندھے گئے۔ حضرت عباسؓ کے کراہنے سے حضور کو نیند نہ آسکی۔ ایک صحابی سمجھ گئے اور ان کی بندش ڈھیلی کر آئے۔ حضور کو جب معلوم ہوا تو فرمایا: (جاؤ اس طرح سب قیدیوں کی بندش ڈھیلی کر آؤ)۔[101]

خیبر کی فتح کے بعد نبی نے وہاں کے یہودیوں کے ساتھ یہ معاہدہ کیا تھا کہ زمین مسلمانوں کے بیت المال کی ملکیت ہوگی، لیکن عملاً یہود کے تصرف میں رہے گی اور وہ اس کی فصل یہودیوں اور مسلمانوں کے مابین تقسیم ہوگی۔ اس کے بعد رسول اللہ نے عبد اللہ بن رواحہ کو وہاں بھیجا جنھوں نے وہاں کی فصل کا جائزہ لے کر مقدار کا اندازہ کیا اور پھر یہود سے کہا کہ:

> اے قوم یہود، تم اللہ کی مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو۔ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کیا اور اللہ کے خلاف جھوٹ کی نسبت کی۔ لیکن تمہارے ساتھ یہ نفرت مجھے اس پر آمادہ نہیں کرتی کہ میں تم پر کوئی زیادتی کروں۔ میں نے کھجوروں کا اندازہ بیس ہزار وسق لگایا ہے۔ اگر تمھیں منظور ہو تو ٹھیک ورنہ یہ محض میرا اندازہ ہے۔ یہود نے کہا: اسی انصاف کے سہارے تو زمین وآسمان قائم ہیں۔[102]

بین الاقوامی تعلقات:

نبی نے کسی بھی قوم کا نمائندہ بن کر آنے والے سفیروں کے بارے میں اس مسلمہ عالمی عرف کی بھی تائید وتصدیق فرمائی کہ انھیں جان کا تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ جس قوم کی نمائندگی کر رہے ہیں، اس کے ساتھ کیسا ہی تنازع اور اختلاف کیوں نہ ہو، اس کے بھیجے ہوئے سفیروں پر کوئی دست درازی نہیں کی جا سکتی۔ چنانچہ مسیلمہ کے بھیجے ہوئے سفیروں نے جب مسیلمہ کے نبی ہونے پر اپنے ایمان کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ ضابطہ نہ ہوتا کہ سفیروں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔[103]

بیویوں سے سلوک:

یہ تو باہر کے معاملات تھے۔ آپ نے عدل وانصاف کے دامن کو اپنے خانگی معاملات میں بھی تھامے رکھا آپ نے تقریباً ہر عمر کی عورتوں سے شادی کی اور اُن سے مساوی سلوک کرتے رہے اور اس طرزِ عمل کو

آخری دم تک نبھاتے رہے جب آخری وقت آپ حضرت عائشہ کے حجرہ میں تشریف لائے تو اس سے پیشتر آپ نے تمام اَزواجِ مطہرات سے اجازت حاصل کی تھی۔[104]

جانوروں کے ساتھ عدل:

حضور نے انسان تو انسان پیاسے کتے کو پانی پلانے پر بھی ثواب بتایا ہے۔ صحابہ کرامؓ کو واقعہ سنایا کہ ایک شخص کی اسطرح کی خدمت پر خوش ہو کر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کر دیا۔[105] ایک بار آپ نے فرمایا کہ ایک بلی کو ایک عورت نے باندھ کر دانہ پانی سے محروم کر کے مار ڈالا، اس عورت کو جہنم کی سزا ہوئی۔[106]

ایک مرتبہ آپ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے اورایک اونٹ نکلا اور آپکو دیکھ کر رونے کی سی آواز نکالنے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے آپ اس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے،پس وہ پرسکون ہوگیا،اس کے بعد آپ نے دریافت فرمایاکہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ اور پکار کر پوچھا کہ یہ اونٹ کس کا ہے، یہ سن کرایک انصاری جوان آیا اور بولا۔ یارسول اللہ یہ اونٹ میراہے آپنے اس سے فرمایا: کیا تو اس جانور کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا جس کا تجھے اللہ نے مالک بنایاہے اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتاہے اور خدمت لینے میں تھکا دیتاہے"۔[107] رسول اکرم کی حیات مبارکہ میں عدل اجتماعی کا بھر پور تصور، جس میں قرآن وسنت کو بنیاد بنایا گیا تھا اپنے وسیع ترین اطراف وجہات کے ساتھ پوری طرح نافذ ہوا۔ عدل وانصاف کو آپ نے عملاً رائج فرمایا، حدیہ ہے کہ خود اپنی ذات تک کو بدلہ میں پیش کر دیا اور اپنے کو اپنے ساتھیوں کے مقابلہ میں کسی بات میں بھی برتر نہیں تصور فرمایا اسی طرح آپ نے امیروں ،غریبوں دونوں کے حالات کوتوازن بخشا، سرمایہ داری کوحرام اور حقوق ملکیت کوباطل ٹھہرائے بغیر سوسائٹی میں ضروریات زندگی کا نظم پیدا کیا۔[108]

ایچ۔ جی۔ ویلز اپنی تالیف "A Concisc History of the World"میں آپ کے عدل اجتماعی کے حوالے سے خراج تحسین پیش کرتا ہے: "انسانی حریت، اخوت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گے تھے۔ چنانچہ مسیح ناصری کے یہاں بھی وہ بکثرت موجود ہیں ، لیکن اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے کہ ان اصولوں پر بالفصل ایک معاشرہ تاریخ انسانی میں پہلی بار قائم کیا محمد نے"۔[109]

عدل اجتماعی کے قیام کے اثرات:

عدل اجتماعی قائم ہونے سے اسلامی معاشرے میں برکتوں کی بارش شروع ہوجاتی ہے اوردُنیامیں

انفرادی واجتماعی حیثیت سے انسان کے جتنے مقاصد ہوسکتے ہیں وہ سب حاصل ہوجاتے ہیں بغیر اس کے کہ انسان ان کو مقصود بالذات بنائے۔[110] چنانچہ

- معاشرے میں امن وسکون کا دوردورہ ہوجاتا ہے: ﴿نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے﴾۔[111]

- خوشحال بھی باحسن وجوہ حاصل ہوجاتی ہے: ﴿اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے﴾۔[112]

- حکومت وفرمانروائی اور غلبہ وسربلندی اہل ایمان کو حاصل ہوجاتی ہے: ﴿اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے﴾۔[113]

- سب سے بڑھ کر یہ کہ مومن کا اصل مطلوب ومقصود یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی فی الدنیا اور نجات فی الاخرت اسے مل جاتی ہے: ﴿یہی وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو وارث بنائیں گے جو پرہیزگار ہو گا﴾۔[114]

قوموں کی عظمت ان کے عدل اجتماعی کے کردار سے وابستہ ہے:

تاریخ عالم اس بات کی شاہد ہے کہ جن قوموں نے عدل وانصاف کا مظاہرہ کیا وہ دوسری قوموں کے مقابلے میں سر بلند اور غالب ہوئیں اور جن قوموں نے ایسا نہیں کیا وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہو گئیں حتی کہ صفحہ ہستی سے ہی مٹ گئیں اگرچہ یہ قومیں مالی اور مادی لحاظ سے بڑی خوشحال،مضبوط اور متمدن تھیں ،جن کے کھنڈرات ان کی عظمت کا اب بھی پتہ دیتے ہیں قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین، قوم لوط اور قوم فرعون جیسی اقوام اگرچہ ظاہری اسباب شان وشوکت کے محلات، باغات، مال ودولت کے انبار اور حکومت واقتدار کے باوجود صفحہ ہستی سے مٹا دی گئیں ،کیونکہ ان قوموں نے اپنے خالق ومالک کے نمائندوں (انبیاء علیہ السلام) کی تکذیب کے ساتھ ساتھ ظلم وجور، عیش وعشرت، ناپ تول میں کمی وغیرہ جیسی خرابیوں کو اپنا طریقہ زندگی بنا لیا تھا۔

اس کے برعکس عربوں جیسی ظالم، جاہل اور تہذیب وتمدن سے ناآشنا قوم جب ایمان واخلاق کی خوبیوں سے آراستہ ہوئی تو وہ دنیامیں معزز ہی نہیں ہوئی بلکہ سیاست وحکومت، علم ودانش، اخلاق وسیرت، تہذیب وتمدن اور ہنر وفن میں دنیا کی امام بنی۔[115]

مغربی نظریہ عدل کے مضمرات:

ڈاکٹر رابرٹ بریفالٹ نے اپنی مشہور کتاب "The Making of Humainty" میں مغربی تصور عدل کے مضمرات کا جائزہ لیا ہے۔ اس نے عیسائیت کو یونانی فکر سے پوری طرح متاثر قرار دیا ہے۔ اس کے مطابق عدل وانصاف کا تصور نافذ کرنا تو درکنار اسے صحیح طور سے سمجھا بھی نہیں جاسکتا۔ جب تک کہ ایک انسان اور دوسرے

انسان کے درمیان تعلقات کو منضبط نہ کیا جائے۔ انسانی تعلقات کی تنظیم ہی تمام جدید مغربی مفکرین کی کتابوں اور ان کے نظریات اور فلسفوں کا مرکزی موضوع ہے۔ بدقسمتی سے مغربی نظریات نے انسانی تعلقات کی کوئی مضبوط تنظیم اور اس کی محکم بنیادیں فراہم نہیں کیں۔ یہ تنظیم وتشکیل افراط وتفریط کے درمیان ابھی تک معلق ہے۔ بعض نظریات نے فرد کو اتنی اہمیت دی کہ معاشرے کے تقاضے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور بعض فلسفوں نے اجتماعیت کو اتنے زور دار انداز میں پیش کیا کہ فرد اس میں گم ہو کر رہ گیا۔

خلاصہ بحث:

علم انسانی نے عالمِ زماں ومکاں کی تسخیر کرکے اقوامِ عالم کوایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے، اوریہ قربِ زمانی ومکانی روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے، اسلام جوکہ عالمگیر دینِ فطرت ہے۔ اس دُنیا میں ایک ایسا بین الاقوامی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جو ہر اعتبار سے حسین اور امن وسلامتی کی نظیر ہو، اور اس میں لوگ عدل واحسان، اخوت ومحبت، آزادی، امن وسلامتی اورعزت واحترام سے زندگی گزارتے ہوں۔

لیکن مقامِ افسوس ہے کہ آج مسلمانانِ عالم تاریخ کے ان عبرت انگیز مرقعوں سے کوئی سبق نہیں لے رہے۔ ان کی موجودہ پستی اور بے بسی کا سبب یہی ہے کہ وہ اس سرمدی پیغام کو بھول رہے ہیں جس نے انہیں محبت واخوت کے ابدی رشتوں میں جکڑ دیا تھا اور انہیں ایک ہی زنجیر کی مختلف کڑیوں کی صورت میں پرو دیا تھا۔ چشمِ فلک گواہ ہے کہ چودہ سو برس قبل صحرائے عرب کی تپتی ہوئی ریت سے ایک قوم ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ﴾ کا سرمدی پیغام لے کر بگولے کی طرح اُٹھی اور طوفان بن کر پوری دنیا پر چھا گئی۔ وہ جہالت کی اتھاہ تاریکیوں سے نکل کر تہذیب وتمدن کے جگمگاتے ایوانوں میں جا پہنچی اور دنیا میں علم وادب کی شمع بردار بن گئی۔ اس کے ہاں بندہ وآقا کی تمیز بے معنی ہو گئی۔ رنگ ونسل اور حسب ونسب کا امتیاز مٹ گیا۔ عزت ووقار کا معیار تقوٰے اور صرف تقوٰے قرار پایا۔

آج جب ہم عالمِ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو دل خون کے آنسو روتا ہے۔ احساس کی لہریں مجسم سوال بن کر پوچھتی ہیں کہ کیا ہم اسی قوم کے فرزند ہیں جسے خیر الامت کے لقب سے سرفراز کیا گیا تھا؟ آج ہماری غیرت وحمیت کو کیا ہوا کہ دوسروں کی دریوزہ گری کو اپنا شعار بنا چکے ہیں۔ دوسروں کی ذہنی غلامی کو اپنی سعادت خیال کرتے ہیں اور پھر جب کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو اقبال کی روح متاعِ کارواں کے لُٹ جانے پر ماتم کناں نظر آتی ہے اور جب اس لُٹ جانے پر بھی کچھ نہ کھویا والی حالت طاری رہتی ہے تو تڑپ اُٹھتی ہے، آہ

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا[116]

آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم مغربی حکومتوں کی مسلم کش سیاسی پالیسیوں کا انتقام لینے کے لیے ان کے عام اور

بے گناہ شہریوں کو اپنے حملوں کا نشانہ بنا رہے ہیں اور اس پر یہ شرعی جواز بھی گھڑ رہے ہیں کہ چونکہ ان ممالک کے عوام اپنی حکومتوں کو ٹیکس ادا کرتے ہیں ، اس لیے وہاں کے تمام شہری مقاتلین میں شمار ہوتے ہیں اور ان کو قتل کرنا جائز ہے۔ یہی معاملہ امریکہ میں بننے والی کسی فلم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مختلف مسلم ممالک میں امریکی سفارت خانوں کو جلانے اور سفارتی عملے کو قتل کرنے کے حالیہ واقعات کا ہے اور فقہ وشریعت کے کسی بھی طالب علم کے لیے یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ بے لگام غصے اور اشتعال کی کیفیت میں اس طرح کے اقدامات کا کیا شرعی یا اخلاقی جواز پیش کیا جا سکتا ہے؟ کیا ہماری قیادت میں کوئی ایسا نہیں ہے جو غصے اور نفرت کے اس اظہار کو، جو حدود سے قطعی طور پر متجاوز ہے، غیرت کا خوب صورت عنوان دے کر اپنی عوامی مقبولیت میں اضافہ کرنے کے بجائے اس نازک موقع پر حق کی گواہی دیتے ہوئے مسلمانوں کو شرعی اخلاقیات کی یاد دہانی کرائے اور سیرت نبوی وسیرت صحابہ کی روشن مثالوں کا حوالہ دے کر ان کے دلوں میں اس احساس کو بیدار کرنے کی کوشش کرے کہ: تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے؟

آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مانگی ہوئی دعا میں اپنے لیے مانگتی ہوں کہ (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ)۔

حوالہ جات وحواشی

---

[1] القرآن الکریم، سورۃ الحدید 57: 25

[2] احمد، ڈاکٹر اسرار. اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت. ط1: 2001ء، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور، ص10

[3] اردو لغت تاریخی اصول پر. ط:1977ء، ترقی اردو بورڈ، کراچی، ص1/ 189

[4] اصفہانی، امام راغب. مفردات القرآن. ترجمہ: محمد عبدہ فیروزپوری، شیخ شمس الحق. ط: لاہور، ص۲/ 114

[5] ابن منظور. لسان العرب. ط: 1956ء، دار صادر، بیروت، مادہ: عدل، ص۱۱/ 430

[6] التھانوی، محمد بن علی. کشاف اصطلاحات الفنون. ط1: 1996ء، مکتبۃ لبنان، بیروت، ص۲/ 1152، مادہ: عدل

[7] الرازی، امام فخر الدین. التفسیر الکبیر. ط: دار احیاء التراث العربی، بیروت، ص 20/ 259

[8] افلاطون. جمہوریہ افلاطون. ترجمہ: مولوی مرزا محمد ہادی. ص56 وبعدھا

[9] ہجویری، علی. کشف المحجوب. مترجم: مفتی غلام معین الدین. ط: 1974ء، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ص30

[10] مودودی، سید ابوالاعلیٰ. اسلامی ریاست. ط: 2000ء، اسلامک پبلیکشنز لمٹیڈ، لاہور، ص666

[11] البیہقی، ابو بکر. الاسماء والصفات. ط: 1413ھ، مکتبۃ السواری، جدۃ، السعودیۃ، ص1/ 141

[12] القرآن الکریم، سورۃ الحجرات 49: 9

[13] ایضاً، سورۃ النحل 14: 90

[14] أیضاً،سورۃ الانفطار82: 7

[15] أیضاً،سورۃ الشوری42: 15

[16] ترمذی، محمد بن عیسی. جامع ترمذی. کتاب فیصلوں کا بیان،باب عادل امام

[17] نیسابوری، مسلم بن حجاج. صحیح مسلم. کتاب الامارۃ،باب فضیلۃ الامام العادل

[18] الحسینی،السید عبدالرزاق. العدل الاجتماعی فی الاسلام. ط: 1981ء،مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات،بیروت،ص116

[19] عمر،د/احمد مختار. معجم اللغۃ العربیۃ المعاصرۃ. ط1: 1429ھ،عالم الکتب،القاھرۃ،ص2/1468

[20] الشرباصی،د/ أحمد. موسوعۃ اخلاق القرآن. ط: 1985ھ،دار الرائد العربی،بیروت،ص۲۲

[21] مدکور،د/ابراھیم. معجم العلوم الاجتماعیۃ. ط: 1975ھ،الھیئۃ المصریۃ العامۃ،القاھرۃ،ص385

[22] ابن خلدون،عبدالرحمن. مقدمہ ابن خلدون. علماء اکیڈمی ،لاہور،ص72

[23] ارسطو. سیاسیات. مترجم:سید نذیر نیازی. ط: 1959ء، مجلس ترقی ادب،لاہور،ص۹-14

[24] ابن مسکویہ. تہذیب الاخلاق. ط: 1339ھ،کردستان العلمیہ الجمالیہ،مصر،ص17

[25] سندھی،عبید اللہ،مولانا. تعلیمات وسیاسی افکار. ط: 1967ء،المحمود اکیڈمی،لاہور،ص49

[26] اقبال،علامہ. کلیاتِ اقبال. ط: 1972ء، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز،لاہور،ص190

[27] القرآن الکریم،سورۃ النساء4: 1

[28] صحیح بخاری،کتاب التیمم،حدیث:328

[29] القرآن الکریم،سورۃ المائدۃ5: 8

[30] شہزاد اقبال شام. اسلام میں عدل وقضاء کا تصور. شریعہ اکیڈمی،اسلام آباد،2007ء،ص6-7

[31] القرآن الکریم،سورۃ الذاریات51: 56

[32] أیضاً،سورۃ المزمل73: 2-3

[33] صحیح مسلم،کتاب صفات المنافقین واحکامھم،باب لن یدخل أحد الجنۃ بعملہ،بل برحمۃ اللہ تعالیٰ

[34] بخاری، محمد بن إسماعیل. صحیح بخاری. کتاب الصوم،باب حق الجسم فی الصوم

[35] جعفری،مولانا رئیس احمد. اسلام اور عدل واحسان. ط: 1977ء،ادارہ ثقافت اسلامیہ،لاہور،ص۵۵

[36] القرآن الکریم،سورۃ الأنبیاء21: 33

[37] أیضاً،سورۃ یس34: 40

[38] أیضاً،سورۃ الرعد13: 2،سورۃ الأنعام4: 115

[39] القرآن الکریم،الحدید 57: 25

[40] مودودی، ابوالاعلیٰ. تفہیم القرآن. ط: 1997ء، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص5/322
[41] القرآن الکریم، سورۃ ال عمران3: 59
[42] ایضاً، سورۃ النساء4: 1
[43] ایضاً، بنی اسرائیل 17: 70
[44] ایضاً، البقرۃ 2: 213
[45] ایضاً، الذاریات51: 56
[46] خان، منشی عبدالرحمن. اسلام کا نظام عدل و انصاف. ط: 1983ء، عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ملتان، ص87
[47] القرآن الکریم، سورۃ النساء4: 135
[48] رپورٹ اسلامی نظام عدل. ط: 1984ء، اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، ص84
[49] القرآن الکریم، سورۃ الحجرات 49: 9
[50] سرخسی. المبسوط. ط: 1993ء، دار المعرفۃ، بیروت، ص16/122
[51] قطب، سید. اسلام میں عدل اجتماعی. مترجم: محمد نجات اللہ صدیقی. ط: اسلامک پبلیکیشنز لمٹیڈ، لاہور، ص47
[52] نعمانی، علامہ شبلی. الفاروق. ط: مکتبہ رحمانیہ، لاہور، ص329
[53] الطبرانی. المعجم الکبیر. ط3: 1983ء، مکتبۃ العلوم والحکم، موصل، 10/108
[54] عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری، ص211
[55] ابن ماجہ. السنن. ط: دار احیاء الکتب العربیۃ، کتاب الرھون، باب أجر الأجراء
[56] القرآن الکریم، سورۃ النساء4: 3
[57] القرآن الکریم، سورۃ البقرہ ۲: 251
[58] القرآن الکریم، سورۃ ال عمران ۳: 104
[59] مدکور، د/ ابراھیم. معجم العلوم الاجتماعیۃ. ط: 1975ء، الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب، قاھرۃ، ص385
[60] البھی، الدکتور محمد. الاسلام فی حیاۃ المسلم. دار الفکر، بیروت، ص204
[61] اسلام میں عدل اجتماعی، ص97
[62] القرآن الکریم، سورۃ الانعام۶: 62
[63] ابوزہرہ. المجتمع الانسانی فی ظل الاسلام. المؤتمر الثالث لمجمع البحوث الاسلامیۃ، ط: 1966ء، جامعۃ الازھر، القاھرۃ، ص397
[64] القرآن الکریم، سورۃ المائدۃ 5: 8
[65] عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری، ص220

[66] اسلام میں عدل اجتماعی، ص98

[67] اسلام میں عدل اجتماعی، ص109

[68] عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری، ص209

[69] القرآن الکریم، سورۃالمائدہ ۵ : ۸

[70] ایضاً، سورۃالنساء 4: 35

[71] الخیاط، عبدالعزیز. المجتمع المتکافل فی الاسلام. ط: 1972ء، مؤسسۃالرسالۃ، بیروت، ص72

[72] القرآن الکریم، سورۃالمائدۃ 5: 2

[73] عزیز الرحمن. تعلیمات نبوی اورآج کے زندہ مسائل. ص63-64

[74] صحیح البخاری، کتاب الحج، باب الخطبۃایام منی

[75] احمد، مولوی نور. مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے. مترجم: رحمان مذنب. ط: 2002ء، ادبی ٹرسٹ، لاہور، ص214

[76] ھائی لینڈ، جان ایس. مختصر تاریخ تمدن. مترجم: سید مبارز الدین. ط: 1956ء، انجمن ترقی اردو، کراچی، ص56

[77] معاویہ، مولانا محمد ہارون. اسلامی اخلاق کے رہنما اصول. ط: 2007ء، دار الاشاعت، کراچی، ص273

[78] ابن حنبل، محمد أحمد۔ المسند. ط: 1993ء، دار احیاء التراث العربی، بیروت، باب۵، حدیث: 411

[79] تعلیمات وسیاسی افکار، ص45

[80] القرآن الکریم، سورۃ آل عمران ۳: 120

[81] تعلیمات نبوی اورآج کے زندہ مسائل، ص89

[82] صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب رحمۃالناس والبھائم

[83] صحیح البخاری،، کتاب الایمان، باب أی الاسلام أفضل

[84] الطباطبائی، محمدحسین. المیزان تفسیرالقرآن. ط: 1973ء، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، لبنان، بیروت، 2/117

[85] Iqbal, M. Reconstruction of Religious Thought in Islam. Kitab Bhavan, India, pp. 154-155

[86] صلاح الدین، محمد. بنیادی حقوق. ط: 1978ء، ادارۂ ترجمان القران، لاہور، ص270

[87] نعمانی، شبلی. سیرت النبی. ط3: مطبوعہ اعظم گڑھ، ص1/295

[88] القرآن الکریم، سورۃالروم 30: 22

[89] ابن عبد ربہ، احمدبن محمد. العقدالفرید. ط: 1940ء، مطبعۃ التالیف، ولنشر و الترجمہ، القاہرہ، ص۱/2621

[90] ندوی، ابوالحسن علی. مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر. ط: مجلس نشریات اسلام، کراچی، ص43

[91] وجدی، علامہ فرید. المدنیہ والاسلام. دار الترقی، مصر، ص140

[92] ایضاً، ص50، بحوالہ ایران بعہد ساسان

[93] ابن سید النّاس. عیون الاثر. ط: 1356ھ، مکتبۃ القدسی، القاھرۃ، ص1/46

[94] ابن سعد، محمد البصری. طبقات ابنِ سعد. مترجم: عبداللہ العمادی اور محمد اصغر. ط: 1983ء، نفیس اکیڈیمی، کراچی، ص1/183

[95] طبری، محمد ابن جریر. تاریخ الطبری. ط1: 1407ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ص2/41

[96] طبقاتِ ابن سعد، ص1/206

[97] ابن قیم. زاد المعاد. ط: 1982ء، نفیس اکیڈیمی کراچی، ص2/56

[98] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب آخی النبی بین المھاجرین والانصار

[99] مبارکپوری، صفی الرحمن، مولانا. الرحیق المختوم. ط: 2002ء، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، ص263

[100] ابن ہشام. السیرۃ النبویہ. مترجم: مولانا عبدالجلیل صدیقی وغلام رسول مہر. ط: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، 1/554-559

[101] ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ. الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب. ط: مکتبۃ نھضۃ، مصر، ج۲، باب عباس بن عبدالمطلب

[102] مسند أحمد، ص3/367

[103] ابو داؤد، سلیمان بن أشعث. سنن أبی داؤد. کتاب الجھاد، باب فی الرسل

[104] صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ووفاتہ

[105] صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، باب فضل سقی الماء

[106] صحیح بخاری، کتاب المساقاۃ، باب فضل سقی الماء

[107] سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب ما یؤمر بہ من القیام علی الدواب والبھائم

[108] رحمانی، عبدالروف. ایام خلافت راشدہ (معاشی وسماجی عدل وانصاف اور امن کا ایک بہترین دور). ط1: 1997ء، مکتبہ قدوسیہ، لاہور

[109] اسلام میں عدل اجتماعی کی اہمیت، ص14 (نوٹ: ایچ جی ویلز کی یہ عبارت اس کتاب کے لیے نئے ایڈیشن سے حذف کر دی گئی ہے۔

[110] عدل اسلامی معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری، ص215

[111] القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ 2: 211

[112] ایضاً، سورۃ الاعراف 7: 94

[113] ایضاً، سورۃ المائدۃ 5: 54

[114] ایضاً، سورۃ مریم 19: 63

[115] معاویہ، مولانا محمد ہارون. اسلامی اخلاق کے رہنما اصول. ط: 2007ء، دار الاشاعت کراچی، ص46

[116] کلیاتِ اقبال، ص187